(غلام گردش)

عورت مارچ

گلیلیو گلیلی (Galileo Galilei) پانچ صدیاں پہلے کا ایک ذرخیز ترین انسان تھا۔انسانی ذہن،فلسفہ،فزکس،فلکیات کا ایک ایسا تن آور شخص جس نے پوری دنیا کو ہر لحاظ سے متاثر کیا۔یہ بات بھی درست ہے کہ گلیلیو سے پہلے سپین میں مسلمانوں نے حد درجہ جدید تحقیقات کیں اور کرہِ ارض کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔مگر عجیب بات یہ بھی ہے کہ سپین میں جدید خیالات کی بنیاد پر اکثریت مسلمان فلسفیوں کو ریاستی جبر کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔یہ وہ نکتہ ہے جسے آج کی دنیا میں اُجاگر کرنا ضروری ہے۔مگر اس پر کوئی خاص بحث نہیں ہوتی۔یعنی سات سو سال پہلے مسلمان معاشرے جدت پسند،متوازن اور کافی حد تک انسان دوست تھے۔مگر اسکے بالکل متضاد پورا یورپ ظلم کی حد تک نئے خیالات کا جانی دشمن تھا۔پوپ یورپ کی اخلاقیات،اقتدار،ریاستوں کے حالات کا ضامن سمجھا جاتا تھا۔عہدہ اس درجہ طاقتور تھا کہ یورپ کی تمام ریاستیں اسکے سامنے سرنگوں تھیں۔کوئی بادشاہ بھی پوپ کی حکم عدولی کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ہاں،پوپ کے پاس انسان کو جنت اور دوزخ میں بھجوانے کا اختیار بھی تھا۔یعنی دنیا بھی اسکے ہاتھ میں تھی اور مرنے کے بعد کی زندگی بھی پوپ کی مرہونِ منت تھی۔گلیلیو نے یہ جرات دکھائی کہ مشاہدہ اور تحقیق کی بنیاد پر نئی تھیوریاں پیش کرنی شروع کر دیں۔گلیلیو یورپ میں پہلا شخص تھا جس نے کہا کہ دنیا،کائنات کا مرکز نہیں ہے۔سورج اسکے ارد گرد نہیں گھومتا۔اس نے یہ بھی لکھا کہ کرہِ اَرض ساکت نہیں ہے۔بلکہ یہ ایک خاص رفتار سے گھومتی ہے۔یہ جدید خیالات چرچ کیلئے ناقابل قبول تھے۔چنانچہ اس شخص پر پورا ریاستی جبر بھڑیے کی طرح پل پڑا۔1611 میں پوپ نے گلیلیو پر پابندی لگا دی کہ وہ کسی جگہ پر بھی اپنے خیالات کا پرچار نہیں کر سکتا۔ساتھ ساتھ اسکے لکھنے پر بھی تشدد آمیز پابندی لگ گئی۔مگر اس پر بھی پوپ کو چین نہ آیا۔1632 میں پوپ کے حکم پر گلیلیو کو گھر میں تاحیات نظر بند کر دیا گیا۔گلیلیو مرتے دم تک اپنے گھر میں مقید رہا۔جو تقریباً ایک دہائی پر مشتمل تھا۔مگر اسکی جدت پسندی اور نئے خیالات مرتے دم تک قائم رہے۔اور آج بھی قائم ہیں۔

آپکے ذہن میں سوال ہوگا کہ میں آج،تقریباً پانچ سو برس پہلے کے ترقی پسند انسان کا ذکر کیوں کر رہا ہوں۔اسکی قید اور اس پر چلائے جانے والے مقدمے سے بھلا ہمارے ملک کا کیا تعلق۔اگر عامیانہ طریقے سے دیکھا جائے تو واقعی کوئی تعلق نہیں۔مگر گہرے تجزیے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں نئی بات کہنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا پانچ صدیاں پہلے یورپ میں تھا۔آج ملک خداداد پاکستان میں کوئی جدید تجزیہ،حرکت اور کلیے کو پیش کرنا اتنا ہی ناممکن ہے،جتنا گلیلیو کیلئے چند سو سال پہلے تھا۔ذہنی طور پر اتنا غلامانہ شخصیت بنا دیا گیا ہے کہ ہم ہر جدید عنصر کو معاشرے،روایات اور اخلاقیات کے خلاف سمجھتے ہیں۔علم ہے کہ میری تحریر پر بھی بھرپور تنقید کی جائیگی۔تمام گزارشات حالیہ ہونے والی ''عورت مارچ'' کے حوالے سے کر رہا ہوں۔گزشتہ پانچ دہائیوں میں دیکھیں تو دنیا حد درجہ تبدیل ہوئی ہے۔نظریات،حکومتی معاملات،سماجی تعلقات اور انسانی ذہن ایک سو اسی ڈگری کے حوالے سے انقلابی طور پر غیر منجمد ہوئے ہیں۔عورتوں کے حقوق،انکے معاملات اسی مہذب تبدیلی کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔مگر برصغیر خصوصاً ہمارے ملک میں خواتین کے جائز حقوق کے حوالے سے تحریک یا تبدیلی کی بات کرنا شجرِ ممنوعہ گردانا جاتا ہے۔اسکی وجہ یہ نہیں کہ ہم تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔حد درجہ پڑھے

لکھے لوگوں کا بھی خواتین کے متعلق عملی رویہ کوئی خاص بہتر نہیں ہے۔ مذہبی سیاسی جماعتوں کا تو خیر ذکر ہی نہیں کر رہا۔ اسلیے کہ معاشرے میں انکی قوت سے سب ڈرتے اور گھبراتے ہیں۔ مگر کیا یہ عجیب بات نہیں کہ یہ جماعتیں کبھی بھی عوامی ووٹ کے ذریعے اقتدار میں نہیں آپاتیں۔ کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عوام کی اکثریت ان سیاسی جماعتوں کو حقِ رائے دہی سے طاقت ہی لاتی ہیں، جنکے خیالات نسبتاً جدید ہے۔ عملی مثال دے رہا ہوں۔ کسی جماعت پر تنقید نہیں کر رہا۔ بہرحال بات کو عورت مارچ کی طرف لیے چلتا ہوں۔ کیونکہ یہی آج کا مرکزی موضوع ہے۔

پاکستان میں عورت مارچ کا آغاز 2018 میں ہوا تھا۔ کراچی سے شروع ہونے والی یہ تحریک نسواں پورے ملک میں مقبول ہوئی ۔مختلف غیر سیاسی خواتین کے پلیٹ فارم اس تحریک کا حصہ بنتے چلے گئے۔ جن میں دومن ایکشن فورم، دومن ڈیموکریٹک فرنٹ اور متعدد تنظیمیں شامل تھیں۔ قابل ذکر نکتہ یہ بھی ہے کہ جیسے ہی یہ تحریک شروع ہوئی۔ مختلف حلقوں سے اسکی شدید مخالفت بھی دیکھنے میں آئی۔ ہمارے چند سکہ بند دانشوروں نے عورت تحریک کو بدکردار، غیر اخلاقی قرار دیدیا۔ یہ تفریق بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اس بار یعنی 2021 میں چند دن پہلے عورت مارچ کا باقاعدہ ایجنڈا جاری کیا گیا۔ اور اسکے بعد پورے ملک میں اسکی گونج سنائی دی۔ اس میں پندرہ نکات تھے۔ بارہ نکات تو صوبائی حکومتوں سے تعلق رکھتے تھے اور تین کا تعلق مرکزی حکومت سے تھا۔ صوبائی حکومتوں سے خواتین، چھوٹے بچوں کیلئے سہولتیں مانگنے کا ذکر تھا۔ عورتوں کے قتلِ عام کو روکنے کی استدعا تھی۔ بالکل اسی طرح خواجہ سراؤں کے حقوق کی بات بھی شامل تھی۔ یہاں تک تو بات درست نظر آتی ہے۔ مگر گمشدہ لوگوں کی بازیابی اور تجاوزات کو ختم کرنے کے متعلق تجاویز، کم از کم اس مارچ کے مقاصد سے بالکل مختلف بلکہ متضاد تھیں۔ بہرحال یہ عورت مارچ کے منتظمین پر منحصر ہے کہ وہ کن نکات پر حکومت سے تعاون مانگ رہی ہیں۔ مگر اس مارچ کو سیاست سے مبرا رکھنا ہی اصل کامیابی ہے۔ حقیقت میں برصغیر میں مسلمان خواتین کے حقوق کے متعلق اولین کام سرسید احمد نے کیا تھا۔ علی گڑھ کالج میں جو سرسید کے بعد یونیورسٹی بن چکا تھا، محترم سرسید صاحب نے مسلمان بچیوں کیلئے تعلیم کے دروازے مکمل طور پر کھول دیے تھے۔ لڑکیوں کیلئے علیحدہ ہوسٹلز موجود تھے۔ شائد آپکو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ لڑکیوں کیلئے تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیلوں میں حصہ لینا بھی لازمی تھا۔ جناب، آج سے تقریباً ایک صدی پہلے مسلمان، بچیاں، علی گڑھ یونیورسٹی میں ٹینس، ٹیبل ٹینس، بیڈمنٹن اور دیگر کھیلوں میں بھرپور حصہ لیتی تھیں۔ طالبعلم کی حیثیت سے غیر متعصب تحقیق کی ہے۔ سرسید نے پڑھی لکھی خواتین کی وہ کھیپ تیار کی جس نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ایک مشکل ترین کام میں قائداعظم کی مدد کی۔ علی گڑھ سے ہی تعلیم یافتہ لڑکیوں نے مسلمانوں میں حیرت انگیز تبدیلی کا ڈول ڈالا۔ علی گڑھ کو چھوڑیے۔ صرف مسلمان خواتین پر مرکوز رہیے۔ کیا محترمہ فاطمہ جناح، بیگم رعنا لیاقت علی خان، بیگم سلمہ تصدق، بیگم جہاں آرا شاہنواز، لیڈی عبداللہ ہارون اور شائستہ اکرام اللہ کے بغیر ہماری تحریک آزادی کامیاب ہوسکتی تھی۔ نہیں، جناب ہرگز نہیں۔ یہ تو صرف چند نام ہیں۔ کیا پنجاب کی یونینسٹ پارٹی اور کے پی کی کانگریس حکومت کے خلاف خواتین نے سیاسی جدوجہد نہیں کی تھی۔ آپ حیران ہوجائینگے کہ ہزاروں خواتین نے محلوں، گلیوں کی سطح پر جاکر پاکستان کے حق میں جاندار تحریک چلائی تھیں۔

ذرا ٹھہریے۔قائداعظم نے خواتین کے متعلق کیا فرمایا تھا۔غور سے سنیے۔اٹھائیس جون،1948 کوفرمایا تھا۔''قوم کی تشکیل میں خواتین کا اَز حد اہم کردار ہے۔دنیا کی کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی،جب تک کہ اس معاشرے کی خواتین شانہ بہ شانہ مردوں کے ساتھ کھڑی نہ ہوں۔ہمیں عورتوں کو زندگی کے ہر شعبے میں شامل کرنا چاہیے۔عورتوں نے آپکی نئی نسل کی مثبت خطوط پر کردار سازی کرنی ہے۔اپنے اس مضبوط اثاثہ کو ضائع مت کیجئے''۔یہ قائد کے الفاظ ہیں اور انہوں نے عملی طور پر خواتین کو ہر شعبہ میں کام کرنے کے عظم کی عملی تصویر بھی پیش کی۔محترمہ فاطمہ جناح نے جس طرح ساتھ کھڑے ہوکر قائد کا خیال رکھا،ہر مقام،ہر جلسہ میں انکے ساتھ تشریف لے گئیں،کیا آج کوئی بھی محترمہ فاطمہ جناح کے شاندار کردار کو سراہے بغیر رہ سکتا ہے۔کم ازکم کوئی ذی شعور تو نہیں کرسکتا۔باقی ہمارے ملک میں ہر نکتہ کو متنازعہ بنایا جاتا ہے اور اس کام میں ہم ماہر ہیں۔عورت مارچ بھی اسی ستم کا شکار ہوئی ہے۔خواتین اپنے حقوق کیلئے جدوجہد نہ کریں،تو اور کیا کریں۔معاشرے پر نظر ڈالیے۔یہ درست ہے کہ خواتین اپنے حقوق کے حوالے سے قدرے بہتری کی طرف جارہی ہیں۔مگر آج بھی خواتین کو وہ مکمل حقوق نہیں دیے جاتے،جو انکا دستوری،قانونی اور اخلاقی حق ہے۔آج بھی مردوں کی کمی نہیں جو عورتوں کو پاؤں کی جوتی جیسے ادنیٰ محاوروں سے باہر نہیں نکل سکتے۔ایسے بہت سے مرد ہیں جو خواتین کو ایک بوجھ سمجھتے ہیں۔ان پر تعلیم،صحت،سماجی برابری اور روزگار کے معیاری مواقع فراہم کرنے پر بالکل یقین نہیں رکھتے۔یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ قدامت پسند ذہنیت اکثریت میں ہے یا اقلیت میں۔مگر یہ غیر متوازن سلوک بہرحال موجود ہے۔پیدائش سے لیکر دنیا سے رخصت ہونے تک خواتین کی اکثریت غیر انسانی سلوک کا نشانہ بنتی ہیں۔لڑکی کے پیدا ہونے پر وہ خوشی دیکھنے میں نہیں آتی،جو لڑکا پیدا ہونے پر منائی جاتی ہے۔تعلیم کے شعبہ میں بھی یہ غیر منصفانہ سلوک جاری رہتا ہے۔بچیوں کی تعلیم پر اتنے وسائل خرچ نہیں کیے جاتے،جتنا لڑکوں پر روا رکھے جاتے ہیں۔وراثتی جائیداد میں بھی خواتین کو اکثر انکے جائز حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔اسکے علاوہ درجنوں مصائب ہیں جو عورتوں کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔اس عدم توازن اور عدم تحفظ کو ختم کرنا ضروری ہے۔اور عورت مارچ صرف اسکی ایک شکل ہے۔عورتوں کے حق میں اس تحریک کو اتنی ہی قدامت پسندی کا سامنا ہے جتنا آج سے پانچ سو سال پہلے گلیلیو جیسے عظیم انسان کو ہوا تھا۔ویسے بھی جدت پسندی کو ہمیشہ ظلم اور تنقید سے ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔مگر یہ ہمیشہ ناکام ہوتی ہے!

راؤ منظر حیات